حسن مجتبیٰ

دوسرا ایڈیشن

از

سید العلماء جناب مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ

قیمت دو آنے ۲ر   محصول ڈاک تین پیسے ۳ر

تعارف

(دوسرا اڈیشن)

آئمہ معصومین کی سوانح عمریوں کا جو سلسلہ مشن نے شائع کرنا شروع کیا ہے یہ رسالہ "حسن مجتبیٰ" اسی کی پانچویں کڑی ہے جس میں ہمارے اور آپ کے دوسرے امام حضرت حسن علیہ السلام کی مقدس زندگی کے حالات ہیں۔ اصولاً اس سوانح عمری کو دوسرے نمبر پر شائع ہونا چاہیے تھا مگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر یہ ترتیب شائع نہیں کی جا سکیں۔

مشن کے خدمات کے ساتھ ساتھ معزز و محترم افراد ملت کا بھی فرض مذہبی ہونا چاہیے کہ وہ ان سوانح عمریوں کو کثیر تعداد میں خرید فرما کر اپنے یہاں کی مجلسوں میں تبرک کی جگہ پر تقسیم فرمائیں۔ اس سے ایک طرف آپ کے مشن کو مزید خدمت مذہبی کا موقع ملے گا تو دوسری طرف آپ اشاعت دین کا ثواب حاصل فرمائیں گے۔ لوگوں کی معلومات دینی میں اضافے کا سبب بننا کیا کم کار ثواب ہے۔

ہم اس سلسلے میں سید العلما جناب مولانا مولوی علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ کے بیحد احسان مند ہیں کہ باوجود کثرت مشاغل جناب قبلہ نے ان سوانح عمریوں کی تصنیف و تالیف کا وعدہ فرما لیا ہے۔

خادم مشن

سید آفاق حسین رضوی آنریری سکریٹری

۸ر نومبر ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانی زندگی کو اپنے راستے میں طرح طرح کے نرم اور گرم حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر طرح کے حالات میں اپنے فرض کا محسوس کرنا چاہے وہ دلی خواہشوں اور طبیعت کے حوصلوں پر کتنا ہی بار ہو۔ یہی انسانیت کی روح اور اخلاق کی جان ہے اور اس کے لیے ایسے رہنماؤں کی سیرت زندگی کے مطالعہ کی ضرورت ہے جنہیں اپنے نفس پر قابو حاصل تھا اور جو ہر موقع پر جذبات سے نہیں بلکہ فرض کے احساس سے کام لیتے تھے اور جنہوں نے دنیا کے سامنے ضبط و صبر و تحمل اور ایثار کے بہترین نمونے پیش کیے ہیں۔

آل محمد علیہم السلام میں یکے بعد دیگرے جو امام ہوتے رہے ان سب کی مجموعی سیرت ایک جامع انسانیت اور اخلاق کی کتاب ہے جس میں کہیں شجاعت کے مظاہرات ہیں کہیں حلم کے، کہیں سخاوت کے کارنامے ہیں کہیں ایثار کے، کہیں حکمت کے نمونے ہیں کہیں علم و معرفت کے۔ چونکہ ان حضرات کو حالات زمانہ یکساں نہیں ملے تھے بلکہ زمانے کی کج رفتاری اور انقلابی چال سے ان کو مختلف حالات سے سابقہ پڑا۔ اور ہر حالت کے موافق ان کو بہترین طرز عمل اختیار کرنا پڑا اس لیے نوع انسانی کی بہتری کے لیے ان میں سے ہر فرد کے حالات زندگی کا مطالعہ لازم ہو گیا کہ بغیر اس کے مطالعہ کے انسانیت کا کوئی ایک گوشہ تشنۂ ہدایت رہ جاتا ہے۔ اسی لیے یہ سلسلہ حالات آئمہ کا پیش کیا جا رہا ہے اور یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں دوسرے امام حضرت امام حسن علیہ السلام کے حالات درج کیے جاتے ہیں

نام ونسب

حسن نام، مجتبیٰ لقب اور ابو محمد کنیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معزز بیٹی حضرت فاطمہ زہرا کے بطن سے حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے بڑے فرزند تھے۔

ولادت

۱۵ ماہ رمضان المبارک کو ہجرت کے تیسرے سال آپ کی ولادت ہوئی۔ رسولؐ کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی جب مکہ معظمہ میں رسولؐ کے بیٹے یکے بعد دیگرے دنیا سے جاتے رہے اور سوائے لڑکی کے آپ کی اولاد میں کوئی نہ رہا تو مشرکین طعنے دینے لگے اور آپ کو معاذ اللہ ابتر یعنی مقطوع النسل کہنے لگے۔ اس سے آپ کو بڑا صدمہ پہنچا اور آپ کی تسلی کے لیے قرآن مجید میں سورہ کوثر نازل ہوا جس میں آپ کو خوش خبری دی گئی کہ خدا نے آپ کو کثرت اولاد عطا فرمائی ہے اور مقطوع النسل آپ نہیں بلکہ آپ کا دشمن ہو گا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی مدینہ میں آنے کے تیسرے ہی سال پیدائش گویا سورہ کوثر کی پہلی تفسیر تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ انہی امام حسنؑ اور ان کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے اولاد رسولؐ کی وہ کثرت ہوئی کہ باوجود ان کوششوں کے جو دشمنوں کی طرف سے اس خاندان کے ختم کرنے کی ہمیشہ ہوتی رہیں جن میں ہزاروں کو سولی دے دی گئی۔ ہزاروں تلوار سے قتل کیے گئے اور کتنوں کو زہر دیا گیا۔ اس کے باوجود آج تک دنیا آل رسولؐ کی نسل سے چھلک رہی ہے۔ عالم کا کوئی گوشہ مشکل سے ایسا ہو گا جہاں اس خاندان کے افراد موجود نہ ہوں۔ جبکہ رسولؐ کے دشمن جن کی اس وقت کثرت سے اولاد موجود تھی ایسے فنا ہوئے کہ نام ونشان بھی ان کا کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ ہے قرآن کی سچائی اور رسولؐ کی صداقت کا زندہ ثبوت جو دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہمیشہ کے لیے موجود ہے اور اس لیے امام حسن علیہ السلام کی

پیدائش سے پیغمبر کو ویسی ہی خوشی نہیں ہوئی جیسی ایک نانا کو نواسے کی ولادت سے ہونا چاہیے۔ بلکہ آپ کو خاص مسرت یہ ہوئی کہ آپ کی سچائی کی پہلی نشانی دنیا کے سامنے آئی۔ ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا ہوئی اور پیغمبر نے بحکم خدا اپنے اس فرزند کا نام حسنؑ رکھا۔ یہ نام اسلام کے پہلے نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ سب سے پہلے پیغمبرؐ کے اسی فرزند کا نام قرار پایا جس طرح حسینؑ ان کے چھوٹے بھائی کا نام بھی بس انہی سے مخصوص تھا۔ ان کے پہلے کسی کا یہ نام نہ ہوا تھا۔

تربیت

حضرت امام حسن علیہ السلام کو تقریباً آٹھ برس اپنے نانا رسول اللہؐ کے سایۂ عاطفت میں رہنے کا موقع ملا۔ رسالت مآبؐ اپنے اس نواسے سے جتنی محبت فرماتے تھے اسکے واقعات دیکھنے والوں نے ہمیشہ یاد رکھے۔ اکثر حدیثیں محبت اور فضیلت کی حسنؑ اور حسینؑ دونوں صاحبزادوں میں مشترک ہیں۔ مثلاً حسنؑ اور حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ دونوں گوشوارۂ عرش ہیں، یہ دونوں میرے گلدستے ہیں۔ خدایا میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھنا اور اس طرح کے بے شمار ارشادات پیغمبرؐ کے دونوں نواسوں کے بارے میں کثرت سے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ اولاد کی نسبت باپ کی جانب ہوتی ہے مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان دونوں نواسوں کی یہ خصوصیت صراحت کے ساتھ بتائی کہ انہیں میرا صرف نواسہ نہیں بلکہ میرا فرزند کہنا درست ہے۔

یہ حدیث حضرت کی تمام اسلامی حدیث کی کتابوں میں درج ہے حضرت نے فرمایا خدا نے ہر شخص کی اولاد کو خود اس کے صلب سے قرار دیا اور میری اولاد کو میرے علی ابن ابی طالبؑ کی صلب سے قرار دیا۔ پھر بھلا ان بچوں کی تربیت میں پیغمبرؐ کس قدر اہتمام صرف کرنا ضروری سمجھتے ہوں گے جب کہ خود بچے بھی وہ تھے جنہیں قدرت نے

طہارت و عصمت کا لباس پہنا کر بھیجا تھا۔ ایک طرف آئینے اتنے صاف اس پر رسولؐ کے ہاتھ کی جلا، نتیجہ یہ تھا کہ بچے کمسنی ہی میں نانا کے اخلاق و اوصاف کی تصویر بن گئے۔ خود حضرت نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حسنؑ میں میرا رعب و داب اور شان سرداری ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جراءت ہے۔ شان سرداری گو مختصر لفظ ہے مگر اس میں بہت سے اوصاف کمال کی جھلک نظر آرہی ہے اس کے ساتھ ساتھ مختلف صورتوں سے رسولؐ نے اپنے مشن کے کام میں ان کو اسی بچپن کے عالم میں شریک بھی کیا جس سے یہ ثابت بھی ہوا کہ پیغمبرؐ اپنے بعد حفاظت اسلام کی مہم کو اپنے ہی اہل بیت کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ایک موقع مباہلہ کے میدان میں تھا۔ جہاں حضرت امام حسنؑ بھی اپنے نانا کے ساتھ ساتھ تھے۔

۲۸ ربیع الاول ۱۱ھ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور امام حسن علیہ السلام اس مسرت اور اطمینان کی زندگی سے محروم ہوئے۔ نانا کی وفات کے تھوڑے ہی دن کے بعد امام حسنؑ کو اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہرا کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اب حسنؑ کے لیے گہوارۂ تربیت اپنے مقدس باپ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ذات تھی حسنؑ اسی دور میں جوانی کی حدوں تک پہنچے اور کمال شباب کی منزلوں کو طے کیا۔ پچیس۲۵ برس کی خانہ نشینی کے بعد جب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو مسلمانوں نے خلیفۂ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک جہاد میں حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ تھے بلکہ بعض موقعوں پر جنگ میں آپ نے کارنمایاں بھی دکھلائے۔

خلافت

۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی وفات ہوئی اس وقت تمام مسلمانوں نے مل کر حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت تسلیم کی آپ پر اپنے والد

بزرگوار کی شہادت کا بڑا اثر تھا۔ سب سے پہلا خطبہ جو آپ نے ارشاد فرمایا اس میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل و مناقب تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ جناب امیرؑ کی سیرت اور مال دنیا سے پرہیز کا تذکرہ کیا۔ اس وقت آپ پر گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ گلے میں پھندا پڑ گیا اور تمام لوگ بھی آپ کے ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل بیان کیے۔ عبداللہ ابن عباس نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ سب نے انتہائی خوشی اور رضامندی کے ساتھ بیعت کی۔ آپ نے مستقبل کے حالات کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اسی وقت لوگوں سے صاف صاف یہ شرط کر دی کہ "اگر میں صلح کر دوں تو تم کو صلح کرنا ہوگی اور اگر میں جنگ کروں تو تمہیں میرے ساتھ مل کر جنگ کرنا ہوگی"۔ سب نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ آپ نے انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ اطراف میں عمال مقرر کیے، احکام معین کیے اور مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

یہ وقت وہ تھا کہ دمشق میں امیر شام معاویہ کا تخت سلطنت پر قبضہ مضبوط ہو چکا تھا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ صفین میں جو لڑائیاں امیر شام کی ہوئی تھیں ان کا نتیجہ تحکیم کی سازشانہ کارروائی کی بدولت امیر شام کے موافق نکل چکا تھا اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی سلطنت کے اندر جہاں اب حضرت امام حسنؑ حکمران ہوئے تھے باہمی تفرقے اور بدلی پیدا ہو چکی تھی۔ خود جناب امیرؑ کے احکام کی تعمیل میں جس طرح کوتاہیاں کی جاتی تھیں وہ حضرت کے آخر عمر کے خطبوں سے ظاہر ہے۔ خوارج نہروان کا فتنہ مستقل طور پر بے اطمینانی کا باعث بنا ہوا تھا جن کی اجتماعی طاقت کو اگرچہ نہروان میں شکست ہو گئی تھی مگر ان کے منتشر افراد اب بھی ملک کے امن و امان کو صدمہ پہنچانے پر تلے ہوئے تھے، یہاں تک کہ بظاہر اسی جماعت کا ایک شخص تھا جس نے حضرت امیرؑ

کے سر پر مسجد میں ضربت لگائی ۔ اور جس کے صدمہ سے آپ کی وفات ہوئی تھی ۔

ابھی ملک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے غم میں سوگوار تھا اور حضرت امام حسنؑ پورے طور پر انتظامات بھی نہ کر چکے تھے کہ امیر شام کی طرف سے آپ کی مملکت میں دراندازی شروع ہو گئی اور ان کے خفیہ کارکنوں نے اپنی کارروائیاں جاری کر دیں۔ چنانچہ ایک شخص قبیلہ حمیر کا کوفہ میں اور ایک شخص بنی قین میں سے بصرہ میں پکڑا گیا ۔ یہ دونوں اس مقصد سے آئے تھے کہ یہاں کے حالات سے دمشق میں اطلاع دیں اور فضا کو امام حسنؑ کے خلاف ناخوش گوار بنائیں غنیمت ہے کہ اس کا انکشاف ہو گیا حمیر والا آدمی کوفہ میں ایک قصائی کے گھر سے اور قین والا آدمی بصرہ میں بنی سلیم کے یہاں سے گرفتار کیا گیا اور دونوں کو جرم کی سزا دی گئی ۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تم اپنی دراندازیوں سے یہاں باز آتے ۔ تم نے لوگ بھیجے ہیں کہ میرے ملک میں بغاوت پیدا کرائیں اور اپنے جاسوس یہاں پھیلا دیے ہیں" معلوم ہوتا ہے کہ تم جنگ کے خواہش مند ہو" ایسا ہے تو پھر تیار رہو" یہ منزل کچھ دور نہیں ہے" نیز مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے میرے باپ کی وفات پر طعن و تشنیع کے الفاظ کہے ۔ یہ ہرگز کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہے۔ موت سب کے لیے ہے ۔ آج ہمیں اس حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو کل تمہیں ہو گا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے مرنے والے کو مرنے والا سمجھتے نہیں ۔ وہ تو ایسا ہے جیسے ایک منزل سے منتقل ہو کر اپنی دوسری منزل میں جا کر آرام کی نیند سو جائے "۔

اس خط کے بعد امیر شام اور امام حسنؑ کے درمیان بہت سے خطوط کی رد و بدل ہوئی ۔ امیر شام کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اہل کوفہ کے باہمی تفرقہ اور بددلی اور عملی کمزوریوں کا علم ہو گیا ۔ اس لیے وہ سمجھے کہ یہی موقع ہے کہ عراق پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر عراق کے حدود تک پہنچ گئے اس وقت حضرت امام حسنؑ نے بھی مقابلہ کی تیاری کی اور حجر ابن عدی کو بھیجا کہ وہ دورہ کر کے اطراف ملک کے حکام کو مقابلے

کے لیے آمادہ کریں اور لوگوں کو جہاد کے لیے تیار کریں مگر جو خیال تھا وہی ہوا کہ عام طور پر سرد مہری سے کام لیا گیا۔ تھوڑی سی فوج تیار ہوئی تو ان میں کچھ فرقۂ خوارج کے لوگ تھے۔ کچھ شورش پسند اور مالِ غنیمت کے طلب گار اور کچھ لوگ صرف اپنے سردارانِ قبائل کے دباؤ سے شریک تھے۔ بہت کم وہ لوگ تھے جو واقعی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے شیعہ سمجھے جا سکتے ہوں۔

ادھر معاویہ نے عبداللہ ابن عامر ابن کریز کو آگے روانہ کیا اور اس نے مقام انبار میں جا کر چھاؤنی چھائی۔ ادھر حضرت امام حسنؑ اس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور مقام دیر کعب کے قریب ساباط میں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے لوگوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لیے سب کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ "دیکھو مجھے کسی مسلمان سے کینہ نہیں ہے۔ میں تمہارا اتنا ہی بہی خواہ ہوں جتنا خود اپنی ذات کی نسبت مجھے ہونا چاہیے۔ میں تمہارے بارے میں ایک فیصلہ کن رائے قائم کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ تم میری رائے سے انحراف نہ کرو گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر کی ہمت جہاد سے پست ہو گئی ہے اور میں کسی طرح یہ صحیح نہیں سمجھتا کہ تمہیں بادل ناخواستہ کسی مہم پر مجبور کروں۔ اس تقریر کا ختم ہونا تھا کہ مجمع میں ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ یقیناً علیؑ ایسے بہادر باپ کا بہادر فرزند تن تنہا اس ہنگامہ آور جماعت کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اگر یہ کھلم کھلا دشمنوں کی جماعت ہوتی۔ مگر اس کے پہلے خود حضرت علیؑ بھی اس وقت بظاہر بے بس ہو گئے تھے جب نیزوں پر قرآن اونچے کیے جانے کے بعد صفین میں خود آپ کی فوج کے آدمی آپ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے تھے کہ اب آپ جنگ کو روک دیجیے نہیں تو ہم آپ کو قید کر کے دشمن کے سپرد کر دیں گے۔ اس وقت جناب امیرؑ نے ایسا نہیں کیا کہ تلوار لے کر ان سے لڑنے لگتے بلکہ مجبوراً جنگ کو ملتوی فرمایا۔ اس سے زیادہ سخت صورت سے اس وقت امام حسنؑ کو سامنا کرنا پڑا کہ مجمع نے آپ پر حملہ کر دیا اور مصلّا قدم کے نیچے سے کھینچ لیا۔ چادر آپ کے دوش سے اتار لی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آواز بلند کی کہ کہاں ہیں ربیعہ اور ہمدان۔" فوراً دونوں جاں نثار قبیلے ادھر

اُدھر سے دوڑ پڑے اور لوگوں کو آپ سے دور کیا۔ آپ یہاں سے مدائن کی طرف روانہ ہوئے مگر جراح ابن قبیصہ اسدی ایک شخص یعنی خوارج میں سے کمین گاہ میں چھپ گیا اور اس نے آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے آپ کی ران زخمی ہو گئی حملہ آور گرفتار کیا گیا اور اُسے سزا دی گئی عرصہ تک مدائن میں علاج ہونے کے بعد آپ اچھے ہوئے اور پھر معاویہ کی فوج سے مقابلہ کی تیاری کی۔

صلح

امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کے لیے جنگ کرنا ممکن نہیں ہو گا مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں مگر وہ علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبر کے نواسے ہیں اس لیے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے جو حق پرستی کے خلاف ہوں اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو۔ اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انھوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ ابن عامر کے ذریعہ سے یہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو اور خون ریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلے میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں۔ اور کچھ بزدلوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انھی شرائط پر میں صلح کے لیے تیار ہوں۔

امام حسنؑ یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت کا دھبہ آپ کے دامن پر نہ آنے پائے۔ اس لیے کہ آپ کو حکومت و اقتدار کی ہوس تو کبھی تھی ہی نہیں انھیں تو مطلب بس یہ تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الٰہی کا اجرا ہو۔ اب معاویہ نے جو آپ سے منہ مانگے شرائط پر صلح کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی تو اب مصالحت سے انکار کرنا شخصی اقتدار کی خواہش کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا یہ کہ امیر شام صلح کے شرائط پر عمل نہ کریں گے بعد کی بات تھی جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آ کہاں سکتا تھا اور حجت

تمام کیونکر ہو سکتی تھی، پھر بھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کیا اور تقریر فرمائی۔ "آگاہ رہو کہ تم میں وہ خوں ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لیے آج تک رو رہے ہو اور کچھ مقتول نہروان کے جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو۔ اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسے پر تلواروں سے فیصلہ کرائیں اور اگر زندگی کو دوست رکھتے ہو تو ہم اس کو قبول کرلیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔" جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا کہ "ہم زندگی چاہتے ہیں، ہم زندگی چاہتے ہیں۔ آپ صلح کر لیجیے۔" اس کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کیے۔

شرائط صلح

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل تھے:-

(۱) یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کریں گے۔

(۲) یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

(۳) یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہوگی۔

(۴) یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس و اولاد محفوظ رہیں گے

(۵) معاویہ حسنؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ ابن علیؑ اور خاندان رسولؐ میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ۔ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایا نہیں جائے گا۔

(۶) جناب امیر علیہ السلام کی شان میں کلمات نازیبا جو اب تک مسجد جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں وہ ترک کر دیے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو یہ طے پایا کہ کم از کم جس موقع پر امام حسن علیہ السلام موجود ہوں اس موقع پر ایسا نہ کیا جائے۔ یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کو عمل میں آیا۔

صلح کے بعد

فوجیں واپس چلی گئیں۔ معاویہ کی شہنشاہی ممالک اسلامیہ میں عمومی طور پر مسلم ہوگئی اور اب شام و مصر کے ساتھ عراق و حجاز و یمن اور ایران نے بھی اطاعت کرلی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس صلح کے بعد اپنے بہت سے ساتھیوں کی طرف سے جس طرح کے دل خراش اور توہین آمیز الفاظ کا سامنا کرنا پڑا ان کا برداشت کرنا انھی کا کام تھا۔ وہ لوگ جو کل تک امیرالمومنین کہہ کے تسلیم بجا لاتے تھے "آج مذل المومنین" یعنی مومنین کی جماعت کو ذلیل کرنے والے کے الفاظ سے سلام کرنے لگے۔ مگر امام حسن علیہ السلام نے صبر استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناگوار حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ مگر ادھر یہ ہوا کہ امیر شام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہو کر نخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہیے قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ "میرا مقصد جنگ سے کوئی یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو، روزے رکھنے لگو، حج کرو، یا زکواۃ ادا کرو، یہ سب تو تم کرتے ہی ہو، میرا مقصد تو بس یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مسلم ہو جائے اور یہ مقصد میرا حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا۔ اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے خدا نے مجھے کامیاب کر دیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسنؑ کے ساتھ کیے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں، ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے۔" مجمع میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مگر اب کس میں دم تھا کہ وہ اس کے خلاف زبان کھولتا۔ انتہا یہ کہ کوفہ میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی موجودگی میں امیر شام نے حضرت امیرؑ اور امام حسنؑ کی شان میں کلمات نازیبا استعمال کیے جس کو سن کر امام حسینؑ بھائی کی جانب سے جواب دینے کے لیے کھڑے ہو گئے مگر حضرت امام حسنؑ نے آپ کو بٹھا دیا۔ اور خود کھڑے ہو کر نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں امیر شام کی تقریر کا جواب دیا۔ اسی طرح جتنی شرطیں معاہدہ

کی تھیں امیر شام نے سب کی مخالفت کی اور کسی ایک بات پر بھی عمل نہیں کیا۔

باوجودیکہ آپ بالکل خاموشی کی زندگی گزار رہے تھے۔ مگر آپ خود بھی اس دور میں بنی امیہ کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں تھے۔ ایک طرف غلط پروپیگنڈے اور بے بنیاد الزامات جن سے ان کی بلندی مرتبہ پر عام نگاہوں میں حرف آئے پھیلائے گئے مثلاً کثرت ازدواج اور کثرت طلاق۔ یہ چیز اپنی جگہ پر شریعت اسلام میں جائز ہو مگر بنی امیہ کے پروپیگنڈے نے اس کو حضرت امام حسنؑ کی نسبت ایسے ہولناک طریقے پر پیش کیا جو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ دوسرے بنی امیہ کے ہوا خواہوں کا برابرتاؤ، سخت کلامی، اور دشنام دہی اس کا اندازہ امام حسینؑ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو آپ نے مروان سے فرمائے تھے جب امام حسنؑ کے جنازے کے ساتھ مروان رو رہا تھا امام حسین علیہ السلام نے فرمایا "آج تم روتے ہو۔ حالانکہ اس کے پہلے تم انھیں غم و غصہ کے گھونٹ پلاتے تھے جنھیں دل ہی خوب جانتا ہے" مروان نے کہا "ٹھیک ہے مگر وہ سب میں ایسے انسان کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ سے زیادہ قوت برداشت رکھنے والا تھا۔

اخلاق و اوصاف

امام حسنؑ کی ایک غیر معمولی صفت جس کے دوست اور دشمن سب معترف تھے وہ یہی حلم کی صفت تھی جس کا اقرار ابھی مروان کی زبان سے آپ سن چکے ہیں حکومت شام کے ہوا خواہ صرف اس لیے جان بوجھ کر سخت کلامی اور بد زبانی کرتے تھے کہ امام حسن علیہ السلام کو غصہ آجائے اور کوئی ایسا اقدام کر دیں جس سے عہد شکنی کا الزام آپ کی طرف عائد کیا جاسکے اور اس طرح خونریزی کا ایک بہانہ ہاتھ آئے۔ مگر آپ ایسی صورتوں میں حیرتناک قوت برداشت سے کام لیتے تھے، جو کسی دوسرے انسان کا کام نہیں ہے۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی بھی عرب میں مشہور تھی۔ آپ نے تین مرتبہ اپنا تمام مال

راہ خدا میں لٹا دیا اور دو مرتبہ تمام اپنی ملکیت، یہاں تک کہ اثاث البیت اور
لباس تک کو آدھوں آدھ راہ خدا میں دے دیا۔

سائلوں کو ایک ایک دفعہ میں ہزاروں روپے دے دیئے ہیں اور حقیقت میں معاویہ کے ساتھ شرائط صلح میں جو بہت سے مورخین کے بیان کے مطابق ایک خاص رقم کی شرط ملتی ہے کہ معاویہ کی جانب سے ہر سال امام حسن علیہ السلام کے پاس روانہ کی جائے وہ اگر صحیح ہو تو اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ اس ذریعہ سے مسلمانوں کے بیت المال کا کچھ روپیہ مستحقین تک بھی پہنچ سکے۔ ہرگز اپنی ذات پر صرف کرنے کے لیے آپ نے اس رقم کی شرط قرار نہیں دی تھی چنانچہ جو کچھ پاس موجود ہوتا تھا چاہے زیادہ سے زیادہ رقم کیوں نہ ہو آپ فوراً سائلوں کو عطا فرما دیتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ " باوجودیکہ آپ خود ضرورت مند ہیں پھر بھی کیا بات ہے کہ سائل کو رد نہیں فرماتے"۔ آپ نے فرمایا " میں خود خدا کی بارگاہ کا سائل ہوں مجھے شرم آتی ہے کہ خود سائل ہوتے ہوئے دوسرے سائلوں کے سوال کو رد کروں اس صورت میں مجھے کیا حق ہو گا کہ میں خدا سے اپنے سوال کے پورا ہونے کی تمنا رکھوں"۔

اس کے ساتھ آپ کے علمی کمالات بھی وہ تھے جن کے سامنے دنیا سر خم کرتی تھی۔ اگرچہ عبداللہ ابن عباس امیر المومنینؑ سے حاصل کیے ہوئے علوم کو دنیائے علم میں اپنا ڈنکا بجا رہے تھے۔ مگر جب امام حسن علیہ السلام کے خداداد علم کا سامنا ہو جاتا تھا تو خاندان رسالتؐ کی بزرگی کا دنیا کو اقرار کرنا پڑتا تھا چنانچہ ایک سائل نے مسجد نبوی میں آکر ایک آیت کی تفسیر ابن عباس سے بھی پوچھی، عبداللہ ابن عمر سے بھی پوچھی اور پھر امام حسن علیہ السلام سے دریافت کی اور آخر میں اس نے اقرار کیا کہ امام حسن علیہ السلام کا جواب یقیناً ان دونوں سے بہتر تھا۔ اکثر آپ نے اپنے

دشمن معاویہ کے دربار اور وہاں کے مخالف ماحول میں فضائل اہلبیت اور مناقب امیر المومنین پر ایسی تقریریں فرماتی ہیں کہ دشمنوں کے سر جھک گئے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور حقانیت کا ان کے دلوں پر سکہ قائم ہو گیا۔

عبادت بھی آپ کی امتیازی حیثیت رکھتی تھی، بیس یا پچیس حج پاپیادہ کیے جب موت، قبر، قیامت اور صراط کو یاد فرماتے تھے تو رونے لگتے تھے جب بارگاہ الٰہی میں اعمال کے پیش ہونے کا خیال آتا تھا تو ایک نعرہ مار کر بیہوش ہو جاتے تھے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو جسم لرزنے لگتا تھا۔

وفات اس بے ضرر اور خاموش زندگی کے باوجود بھی امام حسن علیہ السلام کے خلاف وہ خاموش حربہ استعمال کیا گیا جو سلطنت بنی امیہ میں اکثر صرف کیا جاتا رہا تھا امیر شام نے اشعث ابن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجیت میں تھی ساز باز کر کے ایک لاکھ درہم انعام اور اپنے فرزند یزید کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا اور اس کے ذریعے سے حضرت کو زہر دلوایا۔ امام حسنؑ کے کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور حالت خراب ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کو پاس بلایا۔ اور وصیت کی کہ اگر ممکن ہو تو مجھے جد بزرگوار رسول خدا کے جوار میں دفن کرنا لیکن اگر مزاحمت ہو تو ایک قطرہ خون گرنے نہ پائے میرے جنازے کو واپس لے آنا۔ اور جنت البقیع میں دفن کرنا۔ ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کو امام حسنؑ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حسینؑ حسب وصیت بھائی کا جنازہ روضۂ رسول کی طرف لے گئے مگر جیسا کہ امام حسنؑ کو اندیشہ تھا وہی ہوا۔ ام المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی نوبت پہنچی کہ مخالف جماعت نے تیروں کی بارش کر دی اور کچھ تیر جنازۂ امام حسنؑ تک پہنچے بنی ہاشم کے اشتعال کی کوئی انتہا نہ تھی مگر امام حسین علیہ السلام نے بھائی کی وصیت پر عمل کیا اور امام حسن علیہ السلام کا تابوت واپس لا کر جنت البقیع میں دفن کر دیا۔

پبلشر

سید آفاق حسین رضوی

آنریری سکریٹری
امامیہ مشن لکھنؤ

رسالہ نمبر ۱۰۳
امامیہ مشن لکھنؤ

مطبوعہ
سرفراز پریس لکھنؤ